کشمیر میں 'ڈوگرہ راج' کی واپسی !

افتخار گیلانی

حالیہ دنوں میں جموں و کشمیر کے سیاسی افق پر بڑی دُوررس تبدیلیاں رُونما ہو رہی ہیں، جن سے خطّے میں حالات مزید ابتر اور سنگین ہونے کا خدشہ ہے۔ ۱۹ جون ۲۰۱۸ء کو ہندو قوم پرست بھارتیہ جنتا پارٹی (بی جے پی) نے یکایک جموں و کشمیر کی وزیر اعلیٰ محبوبہ مفتی کی قیادت میں متحرک پیپلز ڈیموکریٹک پارٹی (پی ڈی پی) سے حمایت واپس لے کر مخلوط حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ اسی کے ساتھ ریاستی گورنر این این ووہرا نے حکومت کی زمامِ کار سنبھال لی۔ یہ چوتھی مرتبہ ہے جب گورنر این این ووہرا نے حکومت سنبھالی ہے، جب کہ آج تک آٹھ مرتبہ کشمیر میں گورنر راج نافذ کیا گیا ہے۔

ستم ظریفی دیکھیے کہ بی جے پی نے معروف صحافی شجاعت بخاری کے قتل کا بہانہ بنا کر الزام لگایا کہ محبوبہ مفتی کی حکومت امن و قانون کے نفاذ میں ناکام ہوگئی ہے۔ اسی دوران بھارتی میڈیا میں یہ خبریں گشت کرنے لگیں کہ اگلی حکومت سازی کے لیے بی جے پی ایک اور حلیف پارٹی پیپلز کانفرنس کے سربراہ سجاد غنی لون کے سر پر تاج رکھنے کے لیے کوشاں ہے۔ پھر بی جے پی کے ذرائع کے حوالے سے یہ خبریں آنے لگیں کہ اتحادیوں، آزاد امیدواروں اور دیگر پارٹیوں خصوصاً پی ڈی پی کے ناراض اراکین کی مدد سے وہ خود ہی اقتدار پر براجمان ہونا چاہتی ہے۔ تقریباً دو عشروں سے زائد عرصے تک دہلی کی حکومتوں اور سیاسی اُمور و واقعات کا مطالعہ کرتے ہوئے پہلی ہی نظر میں مجھے یہ گماں ہوا کہ مصدقہ خبر کے بجاے عوامی اور سیاسی پارٹیوں کا ردعمل جاننے کے لیے یہ متضاد خبریں ذمہ دار حلقے 'پلانٹ' کر رہے ہیں، تاکہ اگر کوئی شدید ردعمل آئے تو اس کی تردید کردی جائے۔ چند روز بعد پھر ایسی ہی خبر گشت کرنے لگی، تو اس کا ذریعہ معلوم کرنے کے بعد پتا چلا کہ واقعی ایسی خبروں کے تار براہِ راست وزیر اعظم نریندر مودی، بی جے پی کے صدر امیت شاہ اور

قومی سلامتی کے مشیر اجیت دوول کے دفتر سے منسلک ہیں۔ منصوبہ یہ سامنے آیا کہ مرکزی وزیر اور ادھم پور کے رکن پارلیمنٹ جیتندر سنگھ رانا کو اگلے ماہ سری نگر میں بطور وزیر اعلیٰ حلف دلایا جائے گا۔ چوں کہ کشمیر میں وفاداریوں کی تبدیلی (defection) کا قانون، بھارت کے مرکزی قانون کے برعکس پیچیدہ اور سخت (stringent) ہے، اس لیے دیگر پارٹیوں اور خصوصاً پی ڈی پی کے ناراض اراکین کی حمایت اس طرح حاصل کروانا کہ وہ نااہل بھی نہ ہوں، جیسے اُلجھاؤ پر قانونی ماہرین سے مشاورت ہورہی ہے۔ پی ڈی پی کے ناراض اراکین اور سجاد غنی لون کا تعلق چوں کہ شمالی کشمیر سے ہے، اس لیے بی جے پی کو حمایت دینے والے اس گروہ کو 'شمالی اتحاد' کے نام سے موسوم کیا جارہا ہے۔

کشمیر کی بدقسمتی رہی ہے کہ تاریخ کا پہیہ آگے بڑھنے کے بجائے اُلٹا چکر لگا کر پھر وہیں پہنچتا ہے، جہاں سے گردش شروع ہوئی تھی۔ ۲۰۱۰ء کے عوامی غیظ وغضب کو دیکھ کر مبصرین کا خیال تھا کہ کشمیر کو واپس ۱۹۹۰ء کی پوزیشن میں دھکیلا گیا ہے۔ ۲۰۱۶ء میں برہان مظفر وانی کی شہادت کے بعد عوامی مزاحمت کی شدت دیکھ کر اندازہ تھا کہ گھڑی کی سوئیاں ۱۹۴۷ء پر پہنچ گئی ہیں۔ اگر اب بی جے پی واقعی ایک ہندو ڈوگرے کے سر پر وزارت اعلیٰ کا تاج سجاتی ہے تو اس کا مطلب ہوگا 'ڈوگرہ راج کی واپسی'۔ یوں انتظامی سطح پر تاریخ کا پہیہ گھوم کر ۱۹۳۱ء تک واپس پہنچ جائے گا، جب کشمیریوں نے ڈوگرہ مہاراجا ہری سنگھ کی وحشیانہ حکومت کے خلاف علَم بغاوت بلند کیا تھا۔

فی الحال گورنر ووہرا، فوج اور خفیہ ایجنسیاں اس نقشے میں رنگ بھرنے سے کترا رہی ہیں۔ خیال ہے کہ ایک ہندو وزیر اعلیٰ کشمیری عوام کی نفسیات کو بُری طرح پامال اور مجروح کرے گا اور بھارتی حکومت کی کئی عشروں پر پھیلی کاوشوں پر پانی پھر جائے گا۔ اصل بات یہ ہے کہ جوں جوں اگلے عام انتخابات قریب آرہے ہیں، بی جے پی کے لیے اپنے ان انتہا پسند کارکنوں کو مطمئن کرنا مشکل ہورہا ہے، جو مسمار شدہ بابری مسجد کی جگہ رام مندر کی تعمیر اور کشمیر کی خصوصی آئینی حیثیت کو ختم کروانا چاہتے ہیں۔ اپنے انتہاپسند طبقوں کو بہلانے کے لیے کشمیری مسلمانوں کے سینے پر مونگ دلنے کے لیے ایک ہندو ڈوگرہ وزیر اعلیٰ کو مقرر کرنا ہی ایک آسان ساحل دکھائی دیا ہے کہ جس کے ذریعے پورے بھارت میں ہندو ووٹروں کو ایک بار پھر پارٹی کے حق میں لام بند کیا جاسکتا ہے۔

سری نگر میں بی بی سی کے نامہ نگار ریاض مسرور کے مطابق بھارتی حکمرانوں کے دماغ

میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ بھارت نواز کشمیری سیاسی پارٹیاں بھی نئی دہلی کی حقیقی وفادار نہیں ہیں، بلکہ ان کی ہمدردیاں بھی آزادی پسندوں کے ساتھ ہیں اور کشمیر کو بھارت کا اٹوٹ انگ بننے میں یہ بھی ایک رکاوٹ ہیں۔ بھارت کا موجودہ حکومتی ڈھانچا فاروق عبداللہ، عمر عبداللہ، محبوبہ مفتی اور اس قبیل کے دیگر لیڈروں کو بھی اسی لاٹھی سے ہانکتا ہے، جس طرح وہ حریت لیڈروں کو نشانہ بناتے آرہے ہیں۔ مسرور نے اترپردیش سے آر ایس ایس کے ایک لیڈر کا بیان نقل کیا ہے کہ: ''بھارتی آئین کی دفعہ ۳۷۰ جس میں کشمیر کے خصوصی درجے کا ذکر ہے، اسے ہٹانے کی خواہش رکھنے والوں کو جان لینا چاہیے کہ نریندر مودی اور اجیت دوول اس سے بھی آگے کی سوچ رہے ہیں''۔ حکومتی ذرائع کا حوالہ دے کر اس ہندو قوم پرست لیڈر نے دعویٰ کیا ہے کہ بھارتی حکومت جموں، کشمیر اور لداخ کو تقسیم کرکے مرکز کے زیر انتظام خطے بنانے کے منصوبے پر عمل پیرا ہے۔ تینوں خطوں میں کوئی منتخب حکومت نہیں ہوگی بلکہ تینوں انڈمان نکوبار، لکشدیپ اور پانڈی چری وغیرہ کی طرح براہِ راست نئی دہلی کی حکمرانی میں ہوں گے، اور تینوں خطوں میں ایک لیفٹیننٹ گورنر ہوگا، جو براہِ راست دہلی کے سامنے ہی جواب دہ ہوگا۔ آج ریاست کی 'اسمبلی اور مرکزی دھارے' کی نام نہاد سیاست اس قدر بے وقعت ہوکر رہ گئی ہے کہ نئی دہلی کا حکمراں طبقہ اسے بوجھ سمجھتا ہے۔

دسمبر ۲۰۱۴ء کے انتخابات کے بعد جب کشمیر میں معلق اسمبلی وجود میں آئی اور پی ڈی پی کے لیے کانگریس یا بی جے پی میں سے کسی ایک کی بیساکھی کے سہارے اقتدار میں آنا لازمی ہوگیا تو فروری ۲۰۱۵ء میں پی ڈی پی کے سرپرست مفتی محمد سعید سے جموں میں ان کی رہایش گاہ پر ایک انٹرویو کے دوران میں نے پوچھا تھا: 'کہیں بی جے پی کو اقتدار میں شریک کرواکے وہ کشمیریوں کے مصائب کی تاریک رات کو مزید گہرا اور خوف ناک بنانے کے مرتکب تو نہیں ہوں گے؟' انھوں نے کہا: ''کشمیر کی خصوصی پوزیشن اور شناخت کے حوالے سے بھارت کی دونوں قومی جماعتوں کا موقف تقریباً ایک جیسا ہے۔ نیشنل کانفرنس ہو یا پی ڈی پی [یعنی دہلی نواز پارٹیوں] کا فرض ہے کہ وہ مسئلۂ کشمیر کے حل کی کوئی سبیل پیدا ہونے تک بھارتی آئین میں حاصل خصوصی حیثیت کو بچاکر رکھیں''۔

تاہم، مفتی محمد سعید کی صاحبزادی محبوبہ مفتی نے بی جے پی کے ساتھ مل کر اس دفعہ کو تار تار کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ بیک ڈور سے غیر ریاستی ہندو مہاجرین کو رہایشی

پرمٹ دینا، علیحدہ پنڈت کالونیاں بسانا، آخری ڈوگرہ مہاراجا ہری سنگھ کے یوم ولادت پر تعطیل کے لیے اسمبلی سے قرارداد پاس کروانے کی کوششیں وغیرہ، کشمیریوں کو ان کی سیاسی بے وزنی کا احساس دلانے کی آخری حد تھی۔ مگر پھر بھی ڈومور کے مطالبوں کو تسلیم کرتے کرتے بھی وہ اپنی کرسی بچا نہیں پائیں۔ اسی طرح مذکورہ مہاراجا کے مظالم کے خلاف شہدا کے مزاروں پر ہر سال ۱۳ جولائی کو میلہ لگانا اور ان کے قاتل ہری سنگھ کے جنم دن کو متبرک قرار دینا ایک سنگین مذاق تھا۔ کیا بھارت کبھی جلیانوالہ باغ کے قاتل جنرل ڈائر کے جنم دن کی یاد منانے کے لیے چھٹی کا اعلان کرسکتا ہے؟ کشمیر صدیوں سے سازشوں اور بیرونی طاقتوں کی کش مکش کی آماج گاہ بنا رہا ہے۔

اس خطے کی بدقسمتی یہ رہی کہ آمد اسلام کے ۲۵۰ سال بعد ہی سے یہ خطہ آزادی سے محروم ہوکر مغلوں، افغانوں، سکھوں اور ڈوگروں کے تابع رہا، جنھوں نے مقامی مسلم شناخت کو زیر کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔ پچھلے ۵۰۰ برسوں کے دوران شاید ہی کبھی یہاں عوام نے حکمرانوں کو اپنا حقیقی نمایندہ تسلیم کیا ہو، کیونکہ چند ایک کو چھوڑ کر اکثر یا تو بیرونی طاقتوں کے گورنر تھے یا ان کی طرف سے مسلط کردہ کٹھ پتلی حکمران۔ اپنی تخت نشینی کے فوراً بعد مغل بادشاہ اکبر نے کشمیر پر اپنی نظریں جمائی ہوئی تھیں، اور اس خطے کو حاصل کرنے کے لیے اس نے کئی بار فوج کشی کی۔ تقریباً ایک عشرے کی بے نتیجہ جنگ وجدل کے بعد مغل حکومت کے جنرل راجا بھگوان سنگھ نے ۱۵۸۰ء میں گلگت کے درد قبیلے سے تعلق رکھنے والے کشمیر کے سلطان یوسف شاہ چک کے ساتھ ایک معاہدے کے لیے سلسلۂ جنبانی شروع کیا۔ پانچ سال کی محنت کے بعد دونوں فریق اس معاہدے پر رضامند ہوگئے، جس کی رُو سے کشمیر میں لین دین مغل کرنسی میں کیے جانے پر اتفاق ہوا اور جمعے کے خطبے میں مغل فرماں روا کا نام پڑھا جانے لگا۔ باقی تمام امور میں مقامی حکمرانوں کو خودمختاری عطا کی گئی۔ ایک سال بعد اس معاہدے پر دستخط کرنے کے لیے یوسف شاہ چک کو مغل دارالحکومت آگرہ سے متصل فتح پور سیکری آنے کی دعوت دی گئی، مگر لاہور ہی میں اس کو گرفتار کرکے پابہ زنجیر اکبر کے دربار میں پیش کیا گیا۔ یوسف شاہ نے جو اپنی شاعرہ ملکہ حبہ خاتون کے حوالے سے بھی مشہور ہے، باقی زندگی بہار کے شہر پٹنہ سے متصل ایک قصبے میں جلاوطنی اور عملاً قید میں گزاری، جہاں آج بھی اس کی شکستہ قبر کشمیر پر قبضے اور طاقت کے بل بوتے پر سمجھوتوں سے انحراف کی داستان بیان کرتی ہے۔

یہ بات اب سری نگر میں زبان زد عام تھی کہ یہ وہ پی ڈی پی نہیں تھی جس نے ۲۰۰۳ء اور ۲۰۰۵ء کے درمیان دہلی کی روایتی کٹھ پتلی حکومت کے بجاے ایک پُراعتماد اور کشمیری عوام کے مفادات اور ترجیحات کے ترجمان کے طور پر نئی تاریخ رقم کی تھی۔ اس لیے محبوبہ مفتی کی برطرفی پر کشمیر میں شاید ہی کسی آنکھ سے آنسو کا ایک قطرہ ٹپکا ہو۔ بھارتی فوج کے ذریعے شروع کیے گئے 'آپریشن آل آؤٹ' کی وجہ سے عوام خود کو اپنے ہی گھروں میں قید پاتے ہیں۔ جس کی تازہ مثال یہ ہے کہ پلوامہ میں جب فوج، نیم فوجی اہلکاروں اور پولیس کے دستوں نے کریک ڈاؤن کیا تو مقامی نوجوانوں نے زیادتیوں یا گرفتاریوں کے خوف سے پوری رات درختوں پر گزاری۔ والدین یا تو اپنے پیاروں کی ہلاکتوں پر ماتم کناں ہیں یا پھر روپوش ہوئے نونہالوں کی لاشوں کے منتظر!

یوں دکھائی دیتا ہے کہ جنوبی کشمیر کے چار اضلاع کو ایک 'چھوٹا جنگی علاقہ' (mini war zone) بنا دیا گیا ہے جہاں وحشیانہ ملٹری آپریشن اور جبر کی داستانوں پر مشتمل کارکردگی ہی سے بھارت کی قومی سیاست کو خوراک مل رہی ہے۔ 'ڈوگرہ راج کی واپسی' کے نتیجے میں کشمیر میں شناخت اور انفرادیت برقرار رکھنا بھی ایک بڑا چیلنج ثابت ہو رہا ہے۔ اب یہ فیصلہ مخلص سیاسی لیڈروں کو کرنا ہے کہ وہ کس طرح اس بدنصیب قوم کو غیر یقینی حالات اور مایوسی کے اندھیروں سے نجات دلا سکتے ہیں۔

ایسے حالات میں مسئلہ کشمیر کے حل سے زیادہ کشمیر کی شناخت اور تشخص کے بچاؤ کے لیے قابل عمل اور فوری اقدامات کی ضرورت ہے۔ بدقسمتی سے ایسا نظر آرہا ہے کہ کشمیر کے دونوں اطراف سیاسی جماعتیں نہ صرف اپنی اصل قومی و عوامی ذمہ داریوں سے پہلوتہی برت رہی ہیں، بلکہ ایک نوعیت کی مرعوبیت کی شکار ہوتی جارہی ہیں۔ قوم کے وسیع تر مفاد میں سوچنے کے بجاے اقتدار کی ہوس نے نیشنل کانفرنس کو نہ صرف بزدل بنا دیا ہے، بلکہ اس کی بھاری قیمت سادہ لوح کشمیریوں کو چکانی پڑ رہی ہے۔ کچھ یہی حال اب پی ڈی پی کا بھی ہے۔ بدقسمتی سے دونوں کا محور اقتدار کی نیلم پری ہے۔ اٹانومی اور سیلف رول کے ایجنڈوں کے خواب دیکھنا تو کجا، فی الحال جس تیز رفتاری سے مودی حکومت کشمیریوں کے تشخص اور انفرادیت کو پامال کرنے کے لیے جنگ آزمائی کے راستے پر چل نکلی ہے، اس کا توڑ کرنے اور غوروفکر کے لیے کنٹرول لائن کے دونوں اطراف باضمیر افراد، نیز حُریت پسند جماعتوں کو باہمی تعاون کرنے کی کوئی سبیل نکالنی چاہیے۔

ڈاکٹر آصف کھوکھر

A Public Service Message

AMERICAN ACADEMY OF OPHTHALMOLOGY
The Eye M.D. Association

ایم بی بی ایس (پنجاب) ایم سی پی ایس (آئی) ایم اے (علوم اسلامیہ)

Vitreoretinal, phaco, laser,

آئی سرجن لاہور میڈی کیئر انسٹیٹیوٹ آف آفتھیلمالوجی لاہور

RETINA
یا پردہ بصارت: خرابیاں، علاج

آنکھیں توجہ چاہتی ہیں!

آنکھ میں پردہ بصارت کی وہی حیثیت ہے جو کیمرہ میں فلم اور کمپیوٹر میں ریم کارڈ RAM card کی ہوتی ہے؛ اس کے بغیر نظر آنا ناممکن ہے۔ یہ آنکھ کی اندرونی سطح پر ایک لیمینیشن کی طرح جڑا ہوتا ہے۔ لیمینیشن کی طرح کی اس پتلی سی شفاف جھلی کو پردہ بصارت کہتے ہیں۔

پردہ بصارت کی خرابی کی نوعیت کیا ہوتی ہے؟

1۔ پردہ بصارت کی دو پرتیں ہوتی ہیں جن کے ایک دوسرے سے علیحدہ ہوجانے سے ان کے درمیان پانی بھر جاتا ہے۔ یہ پردہ بصارت میں سوراخ ہوجانے یا پھٹ جانے کے باعث ہوتا ہے۔ 2۔ پردہ بصارت میں موجود خون کی نالیاں خراب ہونے سے خون کے اجزاء رِس رِس کر سوجن پیدا کردیتے ہیں جس سے بینائی کم ہوجاتی ہے۔ 3۔ پردے کا مرکزی حصہ یعنی میکولا Macula کے متاثر ہونے سے بالخصوص قریب کی نظر متاثر ہوتی ہے، چیزیں ٹیڑھی نظر آنے لگتی ہیں، علاوہ ازیں زیادہ خرابی کی صورت میں چیزوں کی پہچان مشکل ہوجاتی ہے۔ 4۔ خون کی نالیوں کے خراب ہونے سے پردے کو خوراک نہیں ملتی خاص طور پر اس کی آکسیجن کی ضرورت پوری نہیں ہو پاتی جس سے پردے کے اوپر اور وٹیریس کے اندر جھلیاں بننی شروع ہوجاتی ہیں، جو نظر کو متاثر کرتی ہیں۔ ان جھلیوں سے وقتاً فوقتاً خون کی کوئی نالی پھٹ جاتی ہے جس سے بعض اوقات پردے کے اوپر خون کی تہہ جم جاتی ہے اور بسا اوقات وٹیریس کا پورا خانہ خون سے بھر جاتا ہے۔ یہ جھلیاں آہستہ آہستہ پردے کے بعض حصوں کو اپنی جگہ سے اکھاڑ دیتی ہیں بعض اوقات پردے کا کوئی حصہ پھٹ بھی جاتا ہے جس سے پردہ اُکھڑ جاتا ہے۔

پردہ بصارت کی خرابیوں کا علاج کرنے کیلئے مختلف طریقے اختیار کئے جاتے ہیں۔ اہم کا ذکر ذیل میں کیا گیا ہے:

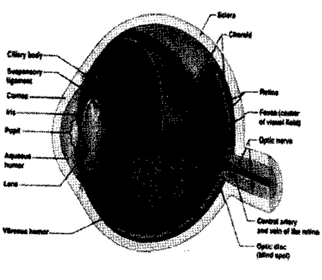

1۔ مختلف قسم کی دوائیں جو قطروں کی شکل میں بھی استعمال کی جاتی ہیں اور کھلائی بھی جاتی ہیں۔
2۔ بعض ادویہ انجیکشن کی شکل میں دی جاتی ہیں۔ یہ ٹیکے آنکھ کے سطحی پردوں کے نیچے بھی لگائے جاتے ہیں اور بعض ٹیکے آنکھ کے اندر تک بھی دوائی پہنچاتے ہیں۔ 3۔ لیزر شعائیں بھی پردے کے علاج کا ایک اہم اور مفید ذریعہ ہیں۔

بعض ایسے اپریشن بھی کئے جاتے ہیں جن کی مدد سے پردہ کو ویلڈ کر دیا جاتا ہے اور پھر باہر سے ایک پٹہ نما چیز Silicon band آنکھ کے گرد لپیٹ دی جاتی ہے جس سے پردہ دوبارہ نہیں اکھڑتا۔
ایک اور بہت ہی اہم طریقہ علاج ویٹریکٹومی آپریشن Vitrectomy Operation ہے جس میں آنکھ کے اندر سے صفائی کر کے مختلف جھلیاں اور خون وغیرہ نکال دیا جاتا ہے اور جہاں ضروری ہو وہاں سے لیزر لگا دی جاتی ہے۔

www.drasifkhokhar.com

Cell: 0333-[illegible] Email: drasifkhokhar@hotmail.com

فیروز پور روڈ بالمقابل قذافی سٹیڈیم

ایام معائنہ: منگل، جمعرات، ہفتہ 2 بجے دوپہر سے 5 بجے شام تک